دُعا(مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

علامہ محمد اقبالؒ

شعر نمبر۱:

ہے یہی میری نماز، ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا(مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

نواؤں: آواز   جگر: کلیجہ

لہو: خون

مفہوم :

عشق حقیقی جب اپنی انتہا پر پہنچتا ہے تو جگر کا لہو بھی آہ و فریاد میں ڈھل جاتا ہے ۔ یہی آہ و فریاد میری نماز اور وضو کا روپ دھار گئی ہے ۔

تشریح: ۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جا بجا موجود ہیں۔

اس شعر میں شاعر نے عشق حقیقی کا ذکر کیا ہے۔ شاعر اللہ تعالیٰ سے اپنی عقیدت اور عشق کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے میرا تعلق اور رابطہ بہت مضبوط اور پختہ ہے۔ اُس کی ذات پر میرا توکل ہے۔ اسی توکل کے زیر اثر جب میں رب کائنات سے دعا کے ذریعے رابطہ استوار کرتا ہوں، تو میرا عشق اس حقیقی ذات سے انتہا پر پہنچ جاتا ہے۔ ایسی کیفیت میں میں جب خدا کو پکارتا اور آہ و فریاد کرتا ہوں تو میری ذات کا ایک ایک حصہ ربِ کائنات سے رابطے میں ہوتا ہے ۔ شاعر نے مبالغہ آرائی سے کلام میں خوبصورتی و دلکشی پیدا کی ہے۔ یعنی وہ صنعت مبالغہ استعمال کرتے ہوئے کہا ہے کہ میرا عشق و محبت رب کائنات سے اس قدر ہے کہ میں جب اللہ کے سامنے اپنی دعا کرتا ہوں تو میرے جگر کا لہو بھی فریاد میں ڈھل جاتا ہے۔ یہی آہ و فریاد میری نماز اور وضو کا روپ دھار گئی ہے۔ یعنی شاعر کا مکمل وجود رب سے تعلق استوار کرنے میں مگن ہے اور شاعر ہر وقت اس تعلق کو پختہ کرنے میں سرمست رہتے ہیں۔ اس طرح شاعر عبادت الٰہی میں منہمک ہو کر

حقِ بندگی ادا کرتے ہیں۔یعنی:۔

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی

حقِ بندگی ہم ادا کر چلے

شعر نمبر ۲:

صحبتِ اہلِ صفا، نور و حضور و سرور

سرخوش و پُر سوز ہے لالہ لبِ آبجو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجدِ قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

صحبت: ساتھ / محفل	اہلِ صفا: نیک لوگ
پُر سوز: پُر درد	لالہ: ایک پھول
سرخوش: مسرور	لبِ آبجو: ندی کا کنارہ

مفہوم:

صاف و پاکیزہ محبت سے قلب انسان جلا پاتا ہے۔ محبوب کی حضوری کے ساتھ کیف و سرور کی وہ صورت ملتی ہے۔ جیسے نہر کے کنارے لالے کا پھول لہراتا رہتا ہے اور ندی کی لہریں اس کو ہمیشہ تازگی، سرخوشی، اور سوز بخشتی رہتی ہیں۔

تشریح:۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیرِ نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جابجا موجود ہیں۔

اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ صاف و پاکیزہ محبت سے قلبِ انسان جلا پاتا ہے۔ یعنی پاکیزہ اور محبت سے بھرے لوگوں کی صحبت سے انسان قلبی اطمینان حاصل کرتا ہے۔ محبوب کی حضوری کے ساتھ انسان کیف و سرور کی اس دنیا میں چلا جاتا ہے۔ جہاں اس عالم دیوانگی میں عاشق کو ہر طرف محبوب ہی کی صورت دکھائی دینے لگتی ہے۔ وہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے غافل ہو جاتا ہے اور اسے دنیا کی کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ بقول غالب

دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا

ہمیں آپ سے ہی جدا کر چلے

اس شعر کو اگر وسیع معنوں میں لیں تو اس میں دراصل عشق حقیقی کا بیان ہے۔ جو لوگ اللہ کی معرفت پا لیتے ہیں اُن پر کیف و سرور کی ایسی حالت طاری ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اپنا سارا وقت یادِ الٰہی میں بسر کرتے ہیں۔ ان کے جسم کو یادِ الٰہی سے بالکل اسی طرح تازگی ملتی ہے، جس طرح نہر کے کنارے لالے کا پھول لہراتا رہتا ہے اور ندی کی لہریں اسے ہمیشہ تازگی، سرخوشی اور سوز بخشتی ہے۔

ے صدائیں دیتے ہوئے اور خاک اڑاتے ہوئے

میں اپنے آپ سے گزرا ہوں تجھ تک آتے ہوئے

شعر نمبر:۳

راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق

ساتھ مرے رہ گئی، ایک مری آرزو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

رفیق: ساتھی　　　　　آرزو: خواہش

مفہوم:

محبت کی راہیں اس قدر سنگلاخ ہوتی ہیں کہ اس میں انتہائی قربت رکھنے والے عزیز و اقربا بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں ۔

تشریح: ۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جا بجا موجود ہیں۔

شاعر نے راہِ محبت میں آنے والی مشکلات اور مصائب کا ذکر کیا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ راہِ محبت میں چلنا کوئی آسان کام نہیں یہ عشق و عاشقی کی راہیں نہایت سنگلاخ ہیں۔ ان پر بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ اقبال کے مطابق محبت میں کوئی بھی کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ محض عشق کا جذبہ ہی آرزو میں ڈھل کر انسان کو اس کی منزل تک پہنچانے کا اہل ہوتا ہے۔

ے عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب

دل کا کیا رنگ کروں، خون جگر ہونے تک

شاعر کہتے ہیں کہ عشق کی بے چینی اور بے قراری کی کیفیت میں کوئی کسی کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس لوگ ایسے

عاشقوں کی زندگیاں مزید مشکل بنادیتے ہیں۔آخری مصرعے میں شاعر اداسی کا ذکر کرتے ہیں کہ جب ان کٹھن حالات میں میرا ساتھ کسی نے نہ دیا تو میری خواہشات میرے دل کے اندر ہی دبی رہ گئیں۔میں اپنے جذبات اور احساسات کسی کو نہ بتا سکا۔اس طرح میرے دل میں آرزوؤں کا انبار لگ گیا۔

ے ان حسرتوں سے کہہ دو کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغ دار میں

شعر نمبر:۴

میرا نشیمن نہیں درگہ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو، شاخِ نشیمن بھی تو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

نشیمن: گھونسلا۔ٹھکانہ	درگہِ میر: بادشاہوں کا دربار
وزیر: بادشاہ کے ساتھ کام کرنے والا	شاخِ نشیمن: راہ منزل

مفہوم:

میرے دل میں امیروں اور وزیروں کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔کیونکہ میرے لیے تو منزل اور راہ منزل بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

تشریح:۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جابجا موجود ہیں۔

یہ شعر شاعر کی روحانی کیفیت کی وضاحت کا عمدہ ثبوت ہے۔علامہ اقبالؒ کی شاعری میں عشق حقیقی کا جابجا ذکر ہے۔انھوں نے شاعری کے ذریعے ملت اسلامیہ کے تن مردہ میں زندگی کی لہر دوڑا دی اور اپنے اثر انگیز کلام سے عالمِ اسلام کو گراں خوابی سے بیدار کیا۔شاعر کہتے ہیں کہ اے ربِ کائنات مجھے امیری یا غریبی سے کوئی سروکار نہیں۔میری منزل اور میری راہِ منزل ذات حق ہے۔

ے جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی
کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

دراصل شاعر روحانی کیفیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔اقبال عشقِ حقیقی میں سرمست ہیں۔دیدار الٰہی کی آرزو انھیں ہر وقت بے قرار رکھتی

ہے۔ان کے لیے دنیاوی مال ودولت کوئی معنی نہیں رکھتے۔وہ دنیا کی ہر شے پر ذات حق کو ترجیح دیتے ہیں۔

ے ان کی نظروں میں شوکت جچتی نہیں کسی کی
آنکھوں میں بس رہا ہے، جن کے جلال تیرا

شعر نمبر:۵

تجھ سے گریباں مرا مطلعِ صبحِ نشور
تجھ سے مرے سینے میں آتشِ اللہ ہو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

مطلع: جہاں سے صبح پھوٹتی ہے　　نشور: دوبارہ زندہ ہو کے اٹھنے کی صبح

گریباں: سینہ　　اللہ ہو: معرفت الٰہی

مفہوم:

اے خدا تو نے میرے سینے میں عشق حقیقی کی جو آگ روشن کی ہے وہ قیامت کے روز بھڑکنے والی آگ سے کم نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا دل اللہ ہو کی حرارت کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔

تشریح:۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جا بجا موجود ہیں۔

شاعر اس شعر میں اپنے اندر عشق حقیقی کے شعلے اور انگاروں کے بھڑکنے کا ذکر کر رہے ہیں۔ علامہ اقبال اللہ تعالی سے مخاطب ہو کر اس کی ذات کا شکر بجا لا رہے ہیں۔ کہ رب کائنات تیرا لاکھ شکر ہے تو نے میرے دل کو اپنے عشق کی آگ سے روشن کیا ہے۔ شاعر نے صنعت مبالغہ استعمال کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ آگ قیامت کے روز بھڑکنے والی آگ سے کم نہیں ہے۔ میرے دل کے اندر ہمیشہ اللہ کی ذات رہتی ہے۔ میرے سینے کو خدا کی یاد سے نور و سرور حاصل ہوتا ہے۔

ے میں اس کو کعبہ وبت خانے میں کیوں ڈھونڈنے نکلوں
میرے ٹوٹے ہوئے دل ہی کے اندر ہے مقام اس کا

شاعر کہتے ہیں کہ میرے دل کا پرنور ہونا غالباً اسی وجہ سے ہے کہ میرا دل اللہ ہو کی حرارت کی آماجگاہ بنا ہوا ہے میرا دل ہر وقت اللہ کے ذکر سے معطر رہتا ہے۔

ارض و سماں کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

شعر نمبر:٦

تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

سوز: درد	تب: حرارت
داغ: نشان زخم	جستجو: تلاش

مفہوم:

مولائے کائنات تیرے ہی دم سے میری زندگی سوز و درد اور روشنی کا مظہر بنی ہوئی ہے۔ تو ہی ہے جو میرے عشق میں آرزو بن کر بسا ہوا ہے اور یہی جذبہ میری جستجو کا سبب ہے۔

تشریح:۔

اقبال جب ١٩٣٢ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جا بجا موجود ہیں۔

زیر تشریح شعر میں شاعر نے اپنی روحانی کیفیت اور عشق حقیقی کا بیان دیا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ اے اللہ! بطور مسلمان اگرچہ میری زندگی میں بہت کٹھن حالات ہیں۔ ہمارا دور عروج رخصت ہو چکا ہے اور امت مسلمہ کے سرسبز و شاداب باغ پر ویرانی چھائی ہوئی ہے لیکن ہماری زندگی سوز و درد کے ساتھ ساتھ پر رونق بھی ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اپنا قلبی تعلق تجھ سے استوار کر لیں۔ جب سے میرا تجھ سے قلبی تعلق استوار ہوا ہے۔ میری زندگی نور سے بھرپور ہو چکی ہے۔ بقول حسرت موہانی

ے مصیبت بھی راحت فضا ہو گئی ہے

تیری آرزو رہنما ہو گئی ہے

یادِالٰہی سے سرفراز ہونے کے بعد میری زندگی روشنی کا مظہر بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ تو میرے دل میں ہمیشہ رہتا ہے۔ اے رب کائنات کوئی مشکل حالات آجاتے ہیں تو تیرے ذکر سے میرے قلب کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ شاعر اللہ تعالی کی محبت کے طالب ہیں۔ خدا تعالی ایسے عشاق کو کبھی تشنہ لب نہیں رکھتا۔ اس لیے ہر وہ شخص جو ذکر خدا میں مگن ہو جاتا ہے تو محبت سے سرشار اس شخص کو خدا کی محبت فراہم کی جاتی ہے۔

ے پہنچتا ہے ہر اک مے کش کے آگے دور جام اس کا

کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اس کا

اقبال کہتے ہیں کہ اے اللہ تو ہی میرے عشق میں آرزو بن کر بسا ہوا ہے۔ میری آرزو ہے کہ تیری معرفت کو پا سکوں۔

ے کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے تیری جبینِ نیاز میں

شعر نمبر:۷

پاس اگر تو نہیں، شہر ہے ویراں تمام

تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاخ و کو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

ویراں: اجاڑ/سنسان کاخ و کو: عالیشان محلات و گلی کوچے

مفہوم:

اے آقا! یہ تیری یاد ہی ہے جس کے بغیر ہر سو ویرانی ہی ویرانی نظر آتی ہے اور جب مجھے تیری قربت کا احساس ہوتا ہے تو اجڑے ہوئے محلات اور سنسان گلی کوچے بھی آباد و درخشاں نظر آتے ہیں۔

تشریح:۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال

کی اس نظم میں جابجا موجود ہیں۔

زیرِ تشریح شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ آقا! تیرے ذکر سے ہی اس جہان کو رونق ملتی ہے۔ جہاں تیرا ذکر کیا جاتا ہے وہ جگہیں آباد اور زندگی سے بھرپور لگتی ہیں۔ اس طرح جب دل تیرے ذکر میں مگن رہے تو آباد رہتا ہے اور اطمینان حاصل کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "اور بے شک خدا کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون ملتا ہے۔"

اس کے برعکس جو دل یا بزم تیری یاد سے غافل رہے تو وہ اجڑے ہوئے چمن میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ تیری یاد کے بغیر ہر سو ویرانی ہی ویرانی نظر آتی ہے۔ تو شاعر پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ایک مسلمان کو خدا کے ذکر سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

؎ غافل خدا کی یاد میں مت بھول زنہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

شاعر کہتے ہیں کہ اللہ جب مجھے تیری قدرت کا احساس ہوتا ہے تو اجڑے ہوئے محلات اور سنسان گلی کوچے بھی آباد اور درخشاں نظر آتے ہیں۔ مراد یہ کہ قربِ الٰہی سے دلوں کو تروتازگی ملتی ہے اور انسان عظمت و بلندی سے ہمکنار ہوتا ہے اس کے برعکس عشقِ الٰہی اور اس کی معرفت نہ ہو تو پورا ماحول اجاڑ و سنسان بن کر رہ جاتا ہے۔

؎ تجھ سے گریباں مرا مطلعِ صبحِ نشور
تجھ سے میرے سینے میں آتشِ اللہ ھو

شعر نمبر:۸

پھر وہ شرابِ کہن مجھ کو عطا کر کہ میں
ڈھونڈ رہا ہوں اسے توڑ کے جام و سبو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجدِ قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

شرابِ کہن: پرانی شراب یعنی اولین مسلمان کے جذبات اور ایمان	جام: پیالہ
سبو: صراحی	جام و صبو: مراد دورِ جدید کی رنگینیاں

مفہوم:

اے مالک! میں نے جدید تہذیب کے تمام لوازمات سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ مجھے اسی جذبہ عشق سے نواز دے جو میرے اسلاف کا ورثہ ہے کہ میں سب کچھ چھوڑ کر عشقِ الٰہی میں جذب ہو چکا ہوں اور محض تیری تلاش میں مصروف ہوں۔

تشریح:۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جا بجا موجود ہیں۔

شاعر عشق حقیقی میں سرشار قربِ الٰہی کا طلبگار رہے۔ اقبال اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے اللہ! تیری ذات کو پانے کے لئے میں نے دنیا کے تمام رسم و رواج سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ میں نے جدید تہذیب کے تمام لوازمات سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ شاعر اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ اے رب ذوالجلال! تو مجھے اپنا قرب عطا کر دے۔ مجھے اسی جذبہ عشق سے نواز دے جو میرے اسلاف کا ورثہ ہے۔

؎ کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

شاعر کہتے ہیں میں سب کچھ چھوڑ کر عشق الٰہی میں جذب ہو چکا ہوں۔ اے اللہ اب تو اپنی محبت کی شراب مجھے عطا کر دے۔ شاعر اللہ کی تلاش میں مصروف ہیں۔ گویا شاعر اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی جستجو کر کے اپنی ذات کو مزید روحانی کیفیت سے سرشار کر کے نکھارنا چاہتے ہیں۔

؎ اللہ سے عرفان تجلی کی دعا مانگ
اے ذوق نظر اور ذرا اور نکھر جا

شعر نمبر:۹

چشمِ کرم ساقیا، دیر سے ہیں منتظر
جلوتیوں کے سبو، خلوتیوں کے کدو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

جلوتیوں کے سبو: ظاہر/شراب پینے والے کا برتن مراد سب کے سامنے نماز روزہ اور عبادت کرنے والے

خلوتیوں کے کدو: چھپ کے پینے والوں کے برتن، /چھپ کر عبادت کرنے والے بزرگ

مفہوم:

اے میرے رب ہم سب مسلماں تیری نظر کرم کے منتظر ہیں۔ ہماری خطائیں معاف فرما اور ہمیں پھر سے ہمارا کھویا ہوا مقام عطا فرما۔

تشریح:۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیرِ نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جابجا موجود ہیں۔

یہ شعر بھی اپنے موضوع کے اعتبار سے پچھلے شعر کا تسلسل ہے۔ جس میں خدا تعالی سے دعا کی گئی ہے کہ اے اللہ! اے خالق کائنات! ہم مسلمان اپنے گناہوں پر شرمندہ ہیں اور تیری نظر کرم کے طلب گار ہیں۔۔ ہم میں سے ہر فرد خواہ وہ درویش صفت ہے یا وہ جو گناہ گار ہے، امیر ہے یا غریب، الغرض ہر طبقہ فکر کا انسان تیری معرفت کو پالینا چاہتا ہے۔ کیونکہ تیری ذات بلند و بالا ہے۔ تو سب کا سننے والا ہے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ تو اس سے راضی رہے اس پر رحم کرے کیونکہ تیرے رحم کے بغیر ہر شخص لاچار اور بے بس ہے۔ جب تک ہم پر تیرے کرم کی نوازش نہ ہو گی تب تک ہم بے چین رہیں گے، ناکام رہیں گے، نامراد رہیں گے۔ شاعر خدا تعالی سے فریاد کر رہے ہیں کہ اللہ ہم پر اپنی محبت کی راہ آسان کر دے۔ عشق حقیقی میں سرشار شاعر کہتے ہیں کہ اے اللہ! مسلمان اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ایک طویل عرصہ سے ناکامیوں کا شکار ہیں۔ وہ اپنے ورثہ سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ ہم اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہیں اور تیری نظر کرم کے محتاج ہیں۔ اس لئے اللہ ان لاچار اور بے بسوں پر اپنی عنایت کر اور اپنی نعمتوں کی بارش سے فیض یاب کر۔

؎ لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی

راس آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

شعر نمبر:۱۰

تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ

اپنے لیے لامکاں میرے لیے چار سو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

جنوں: کسی چیز کی حد سے زیادہ دھن/دیوانہ پن — گلہ: شکوہ

لامکاں: بے حد/ بے حساب

مفہوم:

اے میرے رب تو خود تو لا مکاں ہے اور افلاک و کائنات پر تیری اجارہ داری ہے۔ جب کہ انسان کو اپنا نائب بنا کر بھیجنے کے باو جود تو نے زمین کے ایک مختصر علاقے تک محدود کر دیا ہے.

تشریح: ۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جا بجا موجود ہیں۔

اس شعر میں اقبال کا طرز تحریر قدرے تبدیل ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مالک حقیقی سے گلہ کر رہے ہیں کہ اے اللہ تیری ذات تو لا مکان ہے۔ یعنی تیرے لئے تو کوئی حد نہیں ہے۔ پر اے مالک! یہ دنیا، جس میں تو نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ وہ نہایت محدود ہے۔ یعنی تو نے ہمیں اس مختصر کائنات کے علاقے تک محدود کر دیا ہے۔ دراصل شاعر اس دنیا کے محدود ہونے پر نالاں ہیں اور شکوہ کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تیری تو افلاک و کائنات پر اجارہ داری ہے لیکن مجھ جیسے ناچیز اس دنیا میں بے اختیار بھیجے گئے ہیں۔ گویا شاعر دنیاوی مشکلات پر شکوہ کر رہے ہیں کہ انسان اس دنیا میں بے اختیار ہونے کی وجہ سے بہت سے امتحانات اور کٹھن حالات سے گزرتا ہے۔ اس دنیا میں مصائب اور آزمائشوں سے گزرنے کی وجہ سے شاعر کی زبان پر شکوہ نظر آتا ہے۔

ے تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا

یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

شعر نمبر: ۱۱

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا

حرفِ تمنا، جسے کہہ نہ سکیں رُوبرو

حوالہ نظم:

نظم کا نام: دُعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی)

شاعر کا نام: علامہ اقبالؒ

حل لغات:

حرف تمنا: وہ لفظ جس میں تمنا کا اظہار پایا جائے	روبرو: آمنے سامنے

مفہوم:

فلسفہ اور شعر کی تعریف مختصراً اتنی ہی ہے کہ ان کی وساطت سے اپنی دل تمنا کا اظہار کھل کر نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہاں بھی علامتوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔

تشریح: ۔

اقبال جب ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے

ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہاتواس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنادارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجامیں تبدیل کر دی تھی۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جابجاموجود ہیں۔

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ فلسفہ اور شعر کی تعریف مختصراً اتنی سی ہے کہ ان کی وساطت سے اپنی دلی تمناکااظہار کھل کر نہیں کیاجاسکتا۔ بلکہ یہاں بھی علامتوں کا سہارالیاجاتاہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شعر و شاعری سے ایک شاعر کھل کر اپنے جذبات اور احساسات کا تذکرہ کرتا ہے۔ حالانکہ اس کے برعکس ہوتا ہے کیونکہ شعر و شاعری میں وزن، بحر، ردیف اور قافیہ وغیرہ کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

ے نازک تھے کہیں رنگ گل بوئے سمن سے
جذبات کہ آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں

ے خاموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

اگر اس شعر کو وسیع معنوں میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت گہرا پیغام پوشیدہ ہے۔ یعنی اگر یہ دنیاایک فلسفہ اور شعر کی مانند ہے، توانسان اس دنیاکا شاعر ہے۔ اسے اس دنیا میں توازن برقرار رکھنے کے لئے بہت سے احساسات و جذبات کو چھپاناپڑتا ہے۔ وہ مکمل طور پر کھل کر کبھی بھی اپنے حالات و واقعات کسی کو بتانہیں سکتا۔

مسجد قرطبہ پر دیگر مفکرین کا تبصرہ

مسجد قرطبہ کا فکری و فنی جائزہ اردو شاعری میں اقبال تاحال پہلے اور آخری عظیم شاعر ہیں جنہوں نے ایک خاص نقطہ نگاہ کے تحت شاعری کی ہے۔ ''ان کی شاعری ہمیں کسی خانقاہ کا مجاور نہیں بناتی، نہ لیلیٰ مجنوں کے خیالی عشق کا ہیرو بلکہ وہ ہمیں میدانِ حیات کا ایک سر گرم سپاہی بناتی ہے۔ انہوں نے اپنی حیات پرور فلسفیانہ شاعری سے خوابیدہ قوم میں بیداری کی لہر دوڑائی۔

انکی کاوشِ فکر نے قوم کی منجمند رگوں میں ایک جوش وطغیانی پیدا کی اور انکے نغماتِ روح نواز نے قوم کو مساوات واخوت اور غیرت وخودداری کا درس دیا۔'' اردو شاعری جس میں اکثر وبیشتر دنیا کی بے ثباتی کا رونا رویا جاتا ہے، دنیا کی زندگی سے فرار سکھایا جاتا ہے، ہجر کی طویل راتوں اور اسکے ظلم وستم کا ذکر کیا جاتا ہے مگر اقبال ان سب چیزوں کی نفی کرتے ہوئے ہمیں زندگی کی اصل اہمیت سے روشناس کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک زندگی ایک مسلسل ایماندارانہ کش مکش کا نام ہے۔ رشید احمد صدیقی فرماتے ہیں کہ '' اقبال کی شاعری سے ہم اسطرح متاثر و متحرک ہوتے ہیں جیسے کوئی بھولی ہوئی بات اچانک یاد آجائے، سوئی ہوئی استعداد بیدار ہو جائے اور بیدار شدہ استعداد عمل کا جامہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو۔ اقبال کی شاعری نے اردو شعر وشاعری کے مقررہ معیار کو زیر کر کے ایک دوسرا نہایت وسیع معیار وضع کر دیا۔

''پروفیسر حمید احمد خاں لکھتے ہیں: '' اقبال کا کلام بہ اعتبار شعری قرنِ اول کے بہترین محرکات وعوامل کا گنجینہ دار اور ہماری آنے والی زندگی کی شاہراہوں پر چمکنے والا نورِ حقیقت ہے۔ شعر کے ذریعے سے بنی نوع انسان کو ایک روحانی انقلاب کا پیغام دینے کی جو واضح مثال اقبال کے کلام میں ملتی ہے وہ دنیا کے کسی اور شاعر میں نظر نہیں آتی۔